International Research Journal on Islamic Studies (IRJIS)
ISSN 2664-4959 (Print), ISSN 2710-3749 (Online)
Journal Home Page: https://www.islamicjournals.com
E-Mail: tirjis@gmail.com / info@islamicjournals.com
Published by: “Al-Riaz Quranic Research Centre” Bahawalpur

مسئلہ "بیع بالشرط" فقہاء کی آراء اور معاصر معیشت کے تناظر میں تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

The Issue of “Sale with Condition” A Research-based Analytical Study in the Context of the Views of Jurists and Contemporary Economics

1. Zubair Tayyab,
Lecturer, Department of Islamic Studies,
MohiUd Din Islamic University, Azad Jammu and Kashmir
Email: zubitayyab@gmail.com
ORCID ID: https://orcid.org/0000-0001-9204-7460

2. Dr. Muhammad Talha Hussain,
E.S.T, School Education Department Bahawalpur, Punjab, Pakistan
Email: hussaintalha7@gmail.com
ORCID ID: https://orcid.org/0000-0002-6049-2508

To cite this article: Zubair Tayyab and Dr. Muhammad Talha Hussain. 2021. “The Issue of “Sale with Condition” A Research-based Analytical Study in the Context of the Views of Jurists and Contemporary Economics”. International Research Journal on Islamic Studies (IRJIS) 3 (Issue 2), 136-150.

Journal: International Research Journal on Islamic Studies
Vol. No. 3 || July - December 2021 || P. 136-150
Publisher: Al-Riaz Quranic Research Centre, Bahawalpur
URL: https://www.islamicjournals.com/urdu-3-2-9/
DOI: https://doi.org/10.54262/irjis.03.02.u09
Journal Homepage: www.islamicjournals.com
Published: December 31st, 2021
License: This work is licensed under an Attribution-ShareAlike 4.0 International (CC BY-SA 4.0)

Abstract:

It is a basic role of religion to protect the people’s wealth and property. So, certain rules and disciplines are fixed which secure the public property. A person alone cannot fulfill his requirements. Therefore, Shari’ah adopts the way of sale. In which with their compromise one can use the good or property of the other and can get it in his custody. The matter of sale should be unconditional, but various narrations of Hazrat Muhammad (PBUH) mention buying and selling with a condition. There are different opinions of jurists (Fuqaha) due to different Narrations. They have divided the conditions into several types and briefly explained each of them. The most important of these are those which are customary in society but

against the requirements of the contract. This study seeks to answer the question as to which jurist's opinion on the issue is based on convenience and how to adopt it. Therefore, after a thorough investigation of the issue, the views of the jurists have been analyzed in the contemporary situation so that an effective solution can be reached. The purpose of this study is to select a better solution keeping in view the contemporary economy. It is also helpful in the formation of Contemporary Jurisprudence. The research concludes that such a condition should be allowed in view of the modern economy. However, the consent of the parties is required for this. Not only does the Shariah encourage it, but it also facilitates the people, especially the traders.

Keywords: Sale, Condition, Shari’ah, Jurists, Contemporary, Economy

1- تمہید

نبی کریم ﷺ کے لائے ہوئے دینِ اسلام کی عالمگیریت اور جامعیت کا انکار کسی طور پر ممکن نہیں جس کا واضح ثبوت ہر دور اور تمام حالات میں اس کی قابلِ عمل تعلیمات ہیں۔ یہ قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل کا وافی وشافی حل اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اسلام نے جس طرح عقائد وعبادات کی جزئیات بیان کی ہیں اسی طرح معاملات کی تفصیلات بھی ذکر کی ہیں تاکہ لوگوں کے مابین یہ عمل ایک بہترین اور متوازن طریقے پر جاری وساری رہے اور کسی قسم کے تنازعات ومناقشات کا خدشہ باقی نہ رہے۔ اسلام کا معاشی شعبہ نہایت اہمیت اور اس کی ہدایات وتعلیمات کا مطالعہ وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ ہمارے معاشی واقتصادی معاملات ایک متوازن وپائیدار نہج پر گامزن رہ سکیں۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جب تک کسی معاشرہ کے معاشی واقتصادی معاملات مناسب اصول وضوابط کے پابند نہ ہوں تب تک معاشرہ کی منصفانہ تشکیل ممکن نہیں۔ اسلام چونکہ منصفانہ معاشرہ کے قیام کا داعی ہے اس لیے اسلام نے لین دین اور تجارت کے متعلق نہایت عمدہ اور جامع ومانع اصول وقواعد عطا کیے ہیں جن کی روشنی میں ہم اپنی معیشت کو صحت مند بنیادوں پر استوار کرسکتے ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ خرید وفروخت کے ایک اختلافی قضیہ "بیع بالشرط" کے بارے میں ہے جس کا فقہاء کی آراء اور معاصر معیشت کے تناظر میں تجزیہ کیا گیا اور قرینِ صواب حل تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ آغاز میں بیع کا مفہوم اور اس کی حکمتِ مشروعیت کا مختصراً جائزہ مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اس کے تناظر میں اصل مسئلہ پر بحث آسان ہو۔

2- بیع کا مفہوم اور اس کی حکمتِ مشروعیت

لغوی طور پر لفظِ بیع کا اطلاق ہر قسم کے تبادلہ پر ہوتا ہے۔[1] درحقیقت یہ لفظ باع سے ماخوذ ہے جس کا معنی بازو آتا ہے۔ تبادلہ میں چونکہ بازو پھیلا کر ایک چیز کا لینا اور دوسری کا دینا پایا جاتا ہے اس لیے اس پر بیع کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ ابنِ قدامہ لکھتے ہیں:

"واشتقاقه من الباع لان كل واحد من المتعاقدين يمد باعه للاخذ و الاعطاء"[2]

ترجمہ: یہ باع سے مشتق ہے کیونکہ عاقدین میں سے ہر ایک اپنے بازو لینے اور دینے میں آگے بڑھاتا ہے۔

---

[1]Al-Jurjani, Ali bin Muhammad, Moujjam Al-Tareefat, Qairo, Dar-ul-Fazilah, 2004, P 44.
[2]Ibn-e-Qudamah, Abdullah bin Ahmad, Al-Mugni, Riyadh, Dar AalamilKutub, 1997, V 4, P 2.

خرید وفروخت کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو اس کا اطلاق خریدنے اور بیچنے دونوں معنی پر ہوتا ہے اور یہی حال لفظ شراء کا ہے۔ گویا یہ الفاظِ اضداد میں سے ہیں۔[3] البتہ بائع بصیغہ فاعل بیچنے والے یعنی فروخت کنندہ اور مشتری خریدار کو بولا جاتا ہے۔ جو چیز بیچی جائے اسے بصیغہ مفعول مبیع کہا جاتا ہے۔ غالب استعمال کی بنا پر فقہاء یہی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں۔ اصطلاحی طور پر فقہاء بیع کی مختلف تعریفات ذکر کرتے ہیں جس کی بنیادی وجہ ہر ایک کے نزدیک مالیت کا معیار مختلف ہونا ہے۔ جن فقہاء کے نزدیک مٹی، خون وغیرہ مرغوب مال تصور نہیں ہوتے ان کے نزدیک ان اشیاء کا تبادلہ بیع نہ کہلائے گا جبکہ جو فقہاء کسی چیز کے منافع مثلاً سواری یا گھر میں رہائش وغیرہ کو مال شمار نہیں کرتے ان کے نزدیک منافع کا تبادلہ بیع نہ ہو گا جیسا کہ اجارہ وغیرہ۔ درحقیقت کسی چیز کی مالیت کا معیار زمان ومکان اور کمیت وکیفیت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مٹھی بھر مٹی یا ریت کی اگرچہ کوئی اہمیت نہیں لیکن ان کی بڑی مقدار موجودہ دور میں مالِ مرغوب شمار ہوتی ہے لہذا اس قدر مقدار میں ان کا تبادلہ بیع کہلائے گا۔ اسی طرح خون موجودہ دور میں طب کے شعبہ میں اپنی اہمیت کے بسبب اپنی مالیت منوا چکا ہے اس لیے اس کی بیع بھی رائج ہے جسے عرف وتعامل کی بنا پر جائز سمجھا جائے گا۔ اشیاء کے منافع بھی موجودہ دور میں اہم مال شمار ہوتے ہیں بایں طور کہ زمین، مکان اور گاڑی وغیرہ کے منافع یعنی رہائش وسواری وغیرہ بھی بالعوض حاصل کیے جاتے ہیں اس لیے ان کا تبادلہ بھی بیع کہلائے گا۔ اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے اسامہ بن محمود بن محمد اللاحم بیع کی جامع مانع اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"فالاولیٰ واللہ اعلم تعریف البیع بانہ معاوضۃ مال ولو فی الذمۃ او منفعۃ مباحۃ مطلقاً بمثل احدھما علی التابید۔"[4]

ترجمہ: بیع کی تعریف ان الفاظ سے کرنا بہتر ہے کہ بیع مال کا مال یا منفعت کے بدلے میں ابدی طور پر تبادلہ ہے اگرچہ عوض ادھار ہو یا مطلقاً مباح منفعت کا تبادلہ ہو۔

معلوم ہوا کہ نقد وادھار دونوں طرح مال یا منافع کا تبادلہ بیع کہلائے گا بشرطیکہ یہ ابدی طور پر ہو۔ مختصر یہ کہ جو اشیاء عرفِ عام میں مال سمجھی جاتی ہوں ان کا باہمی تبادلہ بیع کہلائے گا بشرطیکہ اس کا مقصد ابدی تملیک وتملک ہو۔

مشروعیت کے حوالے سے اگر بات کی جائے تو انسان کا معاشرت پسند ہونا دیگر مخلوقات کی جانب اس کے احتیاج کو ظاہر کرتا ہے۔ ضروریاتِ زندگی کی تکمیل کے لیے مالدار وتنگدست سبھی ایک دوسرے کے محتاج اور ان کی املاک سے فائدہ اٹھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ دوسری جانب مشیتِ الٰہی سے تمام اسباب اور لوازماتِ حیات ہر ایک کو اور ہر جگہ مساوی طور پر حاصل نہیں۔ یہ صورتحال ایک ایسی انسانی ہم آہنگی کو وجود دیتی ہے جس سے استغناء انسان کے لیے کسی طور پر ممکن نہیں۔ اگر لین دین کا کوئی مناسب اور منظم طریق وضع نہ کیا جائے تو انسان ضروریات کے حصول میں لوٹ مار یا چوری کا سہارا لینے پر مجبور ہوتا جس سے دوسروں کے اموال خطرہ میں پڑ جاتے اور معاشرے کا امن وسکون غارت ہو جاتا۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے اس فطری تقاضے کا ادراک کرتے ہوئے اپنے فضل وکرم سے خرید وفروخت کی اجازت مرحمت فرمائی۔ ارشادِ ربانی ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ"[5]

ترجمہ: مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ ہاں اگر رضامندی سے لین دین ہو تو جائز ہے۔

---

[3]Ibn-e-Aabideen, Muhammad Ameen, Rad-Al-Muhtaar, Riyadh, Dar Aalamil Kutub, 2003,V 7, P 11.
[4]Al-Lahim ,Usama bin Mahmood, Bay-ul-Dain, KSA, Dar-ul-Mayman, 2012, V 1, P 33.
[5]Al-Quran, Al-Nisa, 4:29.

آیت باہمی رضامندی سے تجارت کی اباحت ومشروعیت پر دلالت کرتی ہے۔اسی طرح جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"رحم اللہ رجلا سمحا اذا باع واذا اشتری۔"[6]

ترجمہ:اللہ تعالیٰ ایسے شخص پر رحم فرمائے جو خرید وفروخت کے وقت نرمی اختیار کرتا ہے۔

آپ ﷺ کا خرید وفروخت کرنے والے شخص کے لیے دعا فرمانا اس عمل کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔غیر مشروع امر پر دعا کا کوئی معنی نہیں۔عہدِ قدیم سے نہ صرف قولی بلکہ عملی طور پر بھی یہ طریقہ بلا نکیر رائج اور جاری وساری ہے۔یہی وجہ ہے کہ ابنِ قدامہ بیع کے جواز اور اس کی مشروعیت پر اجماع نقل کرتے ہیں۔[7] بیع کے نتیجے میں خریدار و فروخت کنندہ میں سے ہر ایک کی مملوکہ چیز پر دوسرے کی ملکیت متحقق ہوتی ہے اس لیے یہ معاملہ حتمی، غیر مشروط اور فی الحال نافذ ہونا ضروری ہے۔مستقبل میں کسی واقعہ یا شرط پر بیع کے معلق ہونے میں دو خرابیاں لازم آتی ہیں:

- ایسی بیع غرر پر مشتمل ہوگی۔غرر سے مراد وجود وعدم کے احتمال کا برابر ہونا ہے۔بیع غرر کے عدمِ جواز پر فقہاء متفق ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اس سے صراحتاً منع فرمایا ہے۔[8]
- عاقدین کی رضامندی جو صحتِ بیع کا بنیادی عنصر ہے جزم ویقین کی صورت میں پائی جاتی ہے۔مستقبل میں واقعہ یا شرط کے جہاں وجود وعدم کا احتمال برابر ہے وہیں اس وقت تک رضامندی کا باقی رہنا بھی موہوم ہے۔[9]

گویا کہ اللہ عزّوجل نے فریقین کی باہمی رضامندی سے بیع کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔یہ رضامندی غیر مشروط طور پر ہونا ضروری ہے کیونکہ کسی بھی قسم کی شرط کامل رضا سے مانع ہے۔ممکن ہے کہ ایک فریق عقد پر راضی ہو لیکن شرط اس کے لیے قابلِ قبول نہ ہو۔اس لیے عقدِ بیع اصولی طور پر کسی قسم کی شرط کا متحمل نہیں ہوتا۔لیکن دوسری جانب عقدِ بیع میں بعض اوقات مختلف اقسام کی شروط روا رکھنے کا تعامل بھی چلا آرہا ہے۔اس لیے اس مسئلہ کا تفصیلی جائزہ لینا ضروری ہے تاکہ تمام جزئیات واضح ہو سکیں۔یاد رہے کہ بیع بالشرط کا مسئلہ فقہاء کے مابین مختلف فیہ ہے جس کی بنیادی وجہ اس بارے میں پائی جانے والی روایات کا مختلف ہونا ہے۔اس لیے مناسب ہے کہ پہلے اس مضمون کی تمام روایات اور ان کا درایتی مقام واضح کر دیا جائے جس کے بعد فقہاء کی آراء کا جائزہ لینا آسان ہو گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

3- بیع بالشرط کے بارے میں پائی جانے والی روایات

بیع وشرط کے بارے میں اصولی اور بنیادی طور پر چار قسم کی روایات ملتی ہیں۔ذیل میں ان روایات اور ان سے حاصل ہونے والے مفہوم کو بیان کیا جاتا ہے۔

---

[6]Al-Bukhari, Muhammad bin Ismaeel, Sahih-Al-Bukhari, Riyadh, Dar Al Hazarah, 2015, Kitab-ul-Buyoo, Bab As Sahulah wa Smaha fi Shiraa, Hadith No 2060.
[7]Ibn-e-Qudamah, Al Mugni, V 4, P 3.
[8]Usmani, Muhammad Taqi, Fiqh-al-Buyoo Ala Mazahib-al-Arbaah, Karachi, Maktaba Maariful Quran,2015, V 1, P 478.
[9]Al-Qurafi, Ahmad bin Idrees, Anwar-ul-Burooq, Kuwait, Dar An Nawadir, 2010, V 1, P 229.

3.1. پہلی روایت

بریرۃ رضی اللہ عنہا کی ولاء کے مسئلہ میں آپ ﷺ کا ارشاد موجود ہے جس کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

"مابال رجال یشترطون شروطالیست فی کتاب اللہ ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط۔"[10]

ترجمہ: لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں۔ جو شرط اللہ کی کتاب میں نہ ہو وہ باطل ہے اگرچہ سو بار لگائی جائے۔

حدیث کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔ ذکر کردہ الفاظ بخاری کے ہیں جبکہ مسلم، ترمذی وابوداؤد نے بھی یہ حدیث مختلف الفاظ سے اپنی اپنی کتب میں نقل کی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کے مخالف جو بھی شرط ہوگی وہ باطل قرار پائے گی اگرچہ سو بار لگائی جائے۔ کتاب اللہ کے مفہوم میں چونکہ حدیث وسنت بھی شامل ہے اس لیے بالفاظِ دیگر کہا جاسکتا ہے کہ عقدِ بیع میں قرآن وسنت کے منافی کوئی شرط قابلِ اعتبار نہیں۔

3.2. دوسری روایت

جامع الترمذی میں عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لایحل سلف وبیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالم یضمن ولا بیع مالیس عندك"[11]

ترجمہ: ادھار اور بیع جائز نہیں اور نہ بیع میں دو شرطیں اور نہ اس چیز کا نفع جو ضمان میں نہ ہو اور نہ اس چیز کی بیع جو قبضہ میں نہ ہو۔

امام ترمذی کے نزدیک یہ روایت حسن صحیح ہے۔ حدیث میں بیع کے حوالے سے چند ضابطے بیان کیے گئے ہیں جن میں سے ایک یہ کہ بیع میں دو یا زائد شرطیں لگانا جائز نہیں۔ مفہومِ مخالف کے طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ایک شرط لگانے میں کوئی حرج نہیں۔

3.3. تیسری روایت

المعجم الاوسط للطبرانی میں ایک روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

"ان النبی ﷺ نھی عن بیع وشرط۔"[12]

ترجمہ: یقیناً آپ ﷺ نے بیع میں شرط لگانے سے منع فرمایا ہے۔

شرط کا لفظ نکرہ لانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بیع میں شرط لگانا علی الاطلاق ناجائز ہے۔ جب ایک شرط کی بھی گنجائش نہیں تو زائد بطریق اولیٰ ممنوع ہوں گی۔

3.4. چوتھی روایت

امام بخاری کی الجامع الصحیح ودیگر کتبِ حدیث میں روایت موجود ہے جس کا مفہوم ہے کہ آپ ﷺ نے ایک سفر کے دوران جابر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ خریدا تھا۔ جس مقام پر عقد طے پایا وہاں سے مدینہ تک جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے سواری کی شرط لگائی تھی

---

[10]Al-Bukhari, Sahih-Al-Bukhari, Kitab-ul-Buyoo, Bab Iza Ishtarat Shuroot fil bay, Hadiht No 2168.
[11]Al-Tirmizi, Muhammad bin Esa, Sunan Al-Tirmizi, Riyadh, Dar Al Hazarah, 2015, Kitab-ul-Buyoo, Bab Ma Jaa fi Karahiat Bay ma laes endak, Hadith No1234.
[12]Al-Tibrani, Suleman bin Ahmad, Al Moujam Al Aousat, Cairo, Dar Al Harmain, 1995, Hadith No 4361.

جسے آپ ﷺ نے قبول فرمایا تھا۔[13] امام بخاری نے کتاب الشروط میں اس روایت کو نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شرط پر فریقِ ثانی رضامندی ظاہر کر دے وہ صحیح اور قابلِ عمل ہوتی ہے۔ بیع میں شرط لگانے کے سلسلے میں یہ چار مفاہیم کی روایات منقول ہیں۔ اوّل الذکر تین روایات عقدِ بیع میں شرط لگانے کی ممانعت پر دال ہیں تو آخری روایت سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس بنا پر فقہاء بیع میں لگائی جانے والی شروط کو مختلف اقسام میں تقسیم کرتے ہوئے ہر قسم کا الگ الگ حکم ذکر کرتے ہیں۔ آئندہ سطور میں فقہاء کی آراء اور ان کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

4- بیع بالشرط کے بارے میں احناف کا مؤقف

بیع بالشرط کے سلسلے میں احناف کا موقف تفصیلی نوعیت کا ہے جس میں شریعت کے عمومی دلائل اور اس بارے میں وارد تمام روایات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بارے میں مشہور حنفی فقیہ صاحب الہدایہ کی عبارت پہلے ذکر کر دی جائے جس کی روشنی میں موقف کا جائزہ لینا آسان ہو۔ لکھتے ہیں کہ:

"المذهب فيه ان يقال كل شرط يقتضيه العقد كشرط الملك للمشتري لا يفسد العقد لثبوته بدون الشرط و كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لاحد المتعاقدين او للمعقود عليه وهو من اهل الاستحقاق يفسده...الا ان يكون متعارفا لان العرف قاض على القياس ولو كان لا يقتضيه العقد ولا منفعة فيه لاحد لا يفسده وهو ظاهر من المذهب"[14]

ترجمہ: اس سلسلے میں اصل مذہب یہ ہے کہ ہر وہ شرط جس کا عقد تقاضا کرے جیسا کہ مشتری کے لیے ملکیت کی شرط عقد کو فاسد نہیں کرتی بغیر شرط یہ امر ثابت ہونے کی بنا پر۔ اور ہر وہ شرط جس کا عقد تقاضا نہ کرے اور اس میں عاقدین میں سے کسی ایک کے لیے یا معقود علیہ کے لیے نفع ہو بشرطیکہ وہ اس کا اہل ہو تو یہ عقد کو فاسد کر دے گی۔۔۔ الا یہ کہ وہ شرط متعارف ہو تو پھر ٹھیک ہے کیونکہ عرف قیاس پر فیصل ہوتا ہے۔ اگر اس میں کسی کے لیے منفعت نہ ہو اور نہ ہی عقد تقاضا کرے تو وہ شرط عقد کو فاسد نہیں کرے گی۔

مذکورہ عبارت کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ احناف شروط کو حکم کے لحاظ سے درج ذیل تین قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:

1. **شرطِ صحیح**
2. **شرطِ فاسد**
3. **شرطِ باطل**

ذیل میں ہر ایک کی تفصیل اور ممکنہ صورتیں بیان کی جاتی ہیں۔

4.1 شرطِ صحیح

شرطِ صحیح سے مراد وہ شرط ہے جس کا عقد میں لگانا جائز، اس پر عمل لازم اور اس کے نتیجے میں عقد صحت پر باقی رہتا ہے۔ اسے شرطِ جائز بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس قسم میں چار طرح کی شرطیں شامل ہیں:

[13] Al-Bukhari, Sahih Al-Bukhari, Kitab-al-Shuroot, Bab iza ishtarat albaiye zahr daabbah, Hadith No 2569.
[14] Al-Margheenani, Ali bin Abu Bakar, Al-Hidayah, Karachi, Idara Al-Quran wa Uloom Al Islamia, 1999, V 5, P 120.

اول: وہ شرط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو یعنی وہ امر عقد کی حقیقت میں شامل ہو۔ مثلاً مشتری کا مبیع کی ملکیت کی شرط لگانا یا نقد معاملہ میں بائع کا یہ شرط لگانا کہ مشتری جب تک قیمت ادا نہیں کرے گا مبیع حوالے نہ کی جائے گی۔ یہ شرط محض تاکید کے لیے ہے۔ اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں کیونکہ مذکورہ مقاصد شرط کے بغیر عقد کے نتیجے میں حاصل ہو جاتے ہیں۔

دوم: وہ شرط جو ملائمِ عقد یعنی عقد کے مناسب ہو۔ یہ شرط عقد کو پختہ کرنے اور اپنے حق کی وصولی یقینی بنانے کے لیے لگائی جاتی ہے۔ جیسا کہ ادھار بیع میں بائع کا مشتری پر رہن یا ضمانت کی شرط لگانا۔ شرط کا مقتضائے عقد کے مطابق یا ملائم ہونے کا فرق ابنِ عابدین ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"معنى كون الشرط يقتضيه العقدان يجب بالعقدمن غيرشرط ومعنى كونه ملائماان يوكدموجب العقد۔"[15]

ترجمہ: شرط کا مقتضائے عقد کے مطابق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز بغیر شرط کے بھی محض عقد سے لازم ہو اور ملائمِ عقد کا معنی یہ ہے کہ وہ عقد کے موجب کو پختہ کر دے۔

عبارت سے واضح ہے کہ جس مقصد کی خاطر شرط لگائی جائے اگر وہ محض عقد سے حاصل ہو رہا ہو تو ایسی شرط مقتضی کے مطابق جبکہ عقد کے لوازمات اور حقوق کو پختہ و موکد بنا دینے والی شرط ملائمِ عقد کہلائے گی بشرطیکہ عقد کی حقیقت میں وہ شامل نہ ہو۔

سوم: وہ شرط جو مقتضائے عقد کے مخالف ہونے کے باوجود عوام الناس کے مابین متعارف ہو جائے۔ مثلاً بازار سے اس شرط پر قالین خریدنا کہ بائع مشتری کے ہاں وہ لگا کر دے گا۔ اس میں مشتری کا نفع ہے چنانچہ مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی بنا پر قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ جائز نہ ہو لیکن عرف و تعامل کی وجہ سے ایسی شروط کو جائز اور صحیح قرار دیا گیا۔ الہدایہ کی پیش کردہ عبارت میں "الاان يكون متعارفالان العرف قاض على القياس" کے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

چہارم: شرطِ خیار بھی عقد میں لگائی جانے والی شروط ہی کی ایک قسم ہے جو کہ عند الاحناف صحیح ہے۔ خیارات کی بحث کے لیے مطوّلات کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

4.2 شرطِ فاسد

شرطِ فاسد سے مراد وہ شرط ہے جو عقد پر اثر انداز ہوتے ہوئے اسے فاسد کر دیتی ہے۔ گویا کہ اس شرط پر نہ تو عمل لازم ہے اور نہ اس کی موجودگی میں عقد صحیح رہتا ہے۔ شرطِ صحیح کی بیان کردہ صورتوں کے علاوہ ہر وہ شرط جس میں عاقدین میں سے کسی کا یا معقود علیہ کا نفع ہو بشرطیکہ معقود علیہ انتفاع کا اہل ہو اس میں شامل ہے۔ مثلاً بائع کا اس شرط پر مکان بیچنا کہ وہ بیع کے بعد ایک مقررہ مدت تک اس میں رہے گا یا بائع کا اس شرط پر غلام فروخت کرنا کہ مشتری اسے آزاد کر دے گا۔ یہ شرط عقد کو فاسد کر دیتی ہے۔

4.3 شرطِ باطل

شرطِ باطل وہ ہے جس میں شرطِ صحیح کی بیان کردہ صورتوں میں سے کوئی نہ پائی جائے اور نہ ہی اس میں عاقدین یا مبیع کا نفع ہو۔ مثلاً بائع اس شرط پر گاڑی فروخت کرے کہ مشتری وہ آگے فروخت نہیں کرے گا۔ یہ شرط باطل اور غیر لازم جبکہ عقد اس کے نتیجے میں صحیح رہتا ہے۔ خریدنے کے بعد مشتری مبیع میں کلی اور ہمہ قسم کے تصرف کا حق رکھے گا۔

---

[15]Ibn-e-Aabideen, Rad-Al-Muhtaar, V 7, P 282.

4.4 مذکورہ مسئلہ میں احناف کے دلائل

بیع بالشرط کے بارے میں پیش کی گئی روایات سے نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بیع بالشرط نہ تو علی الاطلاق جائز ہے اور نہ علی الاطلاق ناجائز کیونکہ بعض روایات سے اس امر کی ممانعت اور دیگر بعض سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔چنانچہ محض روایات کی بنیاد پر کوئی رائے اختیار کرنے کی بجائے شریعت کے عمومی دلائل کو بھی مدِ نظر رکھنا ضروری ہو گا اور ایسی شروط جو شریعت کے عمومی دلائل کے متصادم ہوں ان کی اجازت نہ ہو گی۔عقدِ بیع میں کسی بھی قسم کی ایسی زیادتی جو عوض سے خالی ہو ربا کی تفسیر میں شامل ہونے کی بنا پر ممنوع ہے۔[16] اس اصول کی روسے ہر وہ شرط جس میں عاقدین میں سے کسی کا نفع ہو فاسد اور ممنوع قرار پاتی ہے۔ جیسا کہ بائع کا گھر فروخت کرتے ہوئے ایک ماہ تک اس میں رہائش کی شرط لگانا۔گھر کی قیمت وصول کر لینے کے بعد ایک ماہ تک رہائش ایسی زیادتی ہے جو اسے بلا عوض حاصل ہو رہی ہے۔نیز وہ تمام شروط جن کے بارے میں عاقدین کے مابین ابہام پایا جاتا ہو یا نزاع کا اندیشہ ہو وہ بھی ممنوع ہوں گی کیونکہ ہر وہ عقد جس میں جہالت مفضی الی النزاع پائی جائے شرعاً ناجائز ہے۔[17] وہ روایات جن سے عقد میں شرط لگانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے احناف انہیں اسی قسم کی شروط پر محمول کرتے ہیں۔ حدیثِ بریرۃ رضی اللہ عنہا کا پس منظر بھی اسی مفہوم کو تقویت دیتا ہے۔بریرۃ رضی اللہ عنہا اپنے بدلِ کتابت کی ادائیگی میں معاونت کے لیے عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں تو آپ رضی اللہ عنہا نے ان کی ولاء حاصل ہونے کی بنیاد پر حامی بھری تھی۔لیکن بریرۃ رضی اللہ عنہا کے سابقہ مالکان اپنے لیے ولاء کی شرط پر مصر تھے۔اصولی طور پر غلام کی ولاء آزاد کرنے والے مالک کو حاصل ہوتی ہے۔سابقہ مالکان کی شرطِ ولاء اس کے مخالف ہونے کی بنا پر اسے کتاب وسنت کے منافی قرار دیا گیا۔اس پر بیع کو قیاس کیا جائے تو بیع میں مبیع کے منافع کا استحقاق مشتری کو حاصل ہوتا ہے۔بائع کا اپنے لیے ان منافع کی شرط لگانا ایسی زیادتی ہے جس کا کوئی عوض نہیں۔اس لیے جو شرط عاقدین کے لیے خالی عن العوض زیادتی پر مبنی ہو وہ ازروئے حدیث جائز نہ ہو گی۔صاحب الہدایہ نے بیع بالشرط کے سلسلے میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے ایسی شروط کی ممانعت کی دلیل ان الفاظ میں پیش کی ہے:

> **"لان فیه زیادۃعاریۃعن العوض فیؤدی الی الرباأولانه یقع بسببه المنازعۃفیعری العقدعن مقصودہ۔"**[18]
>
> ترجمہ:کیونکہ اس میں عوض سے خالی زیادتی پائی جارہی ہے جو ربا تک مفضی ہے یا یہ کہ اسکی وجہ سے نزاع کا اندیشہ ہے چنانچہ ایسی صورت میں عقد اپنے مقصد سے ہٹ جاتا ہے۔

اسی طرح علاؤالدین الکاسانی ایسی شروط کی ممانعت کے بارے میں احناف کا نقطہ نظر اور وجہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> **"فالبیع فی ھذا فاسدلان زیادۃمنفعۃمشروطۃفی البیع تکون ربالانھازیادۃلایقابلھاعوض فی عقدالبیع وھو تفسیر الربا"**[19]
>
> ترجمہ:سوان صورتوں میں بیع فاسد ہے۔اس لیے کہ بیع میں کسی قسم کی مشروط زیادتی ربا ہے کیونکہ یہ ایسی زیادتی ہے جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہیں۔اور یہی ربا کی تفسیر ہے۔

---

[16] Al Margheenani, Al-Hidayah, V 5, P 120.
[17] Ibid.
[18] Ibid.
[19] Al-Kasani, Abu Bakar bin Masood, Badai-us-Sanai, Beirut, Dar Al Kutub Al Ilmiya,2003, V 7, P 12.

معلوم ہوا کہ خالی عن العوض زیادتی ربا کے زمرے میں شامل ہونے کی بنا پر ممنوع اور جس عقد میں اس پر مبنی شرط پائی جائے وہ فاسد ہوتا ہے۔ہاں اگر کسی ایسی شرط پر لوگوں کا عرف وتعامل ثابت ہو جائے تو پھر وہ شرط اور عقد جائز ہوتا ہے۔ حدیثِ جابر رضی اللہ عنہ سے کسی قسم کی ایسی مشروط زیادتی جس میں ایک فریق کا نفع ہو دوسرے کی رضامندی سے جائز ہونا معلوم ہوتا ہے۔ایسی شرط پر لوگوں کا عرف وتعامل پایا جانا جانبِ جواز کو مزید تقویت دیتا ہے۔ان کے علاوہ وہ تمام شروط جو نہ تو ممنوع شرائط کے دائرہ کار میں آتی ہیں بایں طور کہ ان میں کسی عاقد کا نفع نہیں پایا جاتا اور نہ ہی وہ عقد کے مقتضٰی کے خلاف ہوں تو عمومی دلائل کی بنا پر ان کی اجازت ہوگی۔شروطِ صحیحہ کی بیان کردہ تمام صورتیں اسی نوعیت کی ہیں۔

5- بیع بالشرط کے بارے میں فقہائے مالکیہ کا مؤقف

ایسی شرط جو مقتضائے عقد کے مطابق یا ملائم عقد ہو یعنی پختگی اور توثیق کے لیے لگائی جائے اس کے جواز میں فقہاءمالکیہ کے ہاں بھی کوئی کلام نہیں۔البتہ وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو کیا وہ بیع کو فاسد کردے گی؟اس بارے میں مالکیہ کا مؤقف یہ ہے کہ وہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ نقضِ عہد کا باعث بھی ہو تو وہ عقد کو فاسد کردے گی۔مثلاً اس شرط پر مکان یا کوئی چیز فروخت کرنا کہ ایک سال تک اس کی ملکیت تمہاری طرف منتقل نہ ہوگی یا بائع یہ شرط لگائے کہ مشتری خریدی گئی چیز فروخت یا ہبہ نہیں کرے گا۔چنانچہ محمد سحال المجاجی اس قسم کے شرط کے حکم کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وهذا القسم من الشروط يبطل ويجر البطلان الى العقد في المشهور من المذهب"[20]

ترجمہ:شروط کی یہ قسم باطل ہے اور مشہور مذہب کے مطابق عقد میں بھی بطلان جاری کردیتی ہے۔

معلوم ہوا کہ مالکیہ کے ہاں ایسی شرط عقد کو فاسد کرے گی جو مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ عقد کے لازمی ثمرات کے منافی بھی ہو جیسا کہ عدمِ انتقالِ ملکیت یا خریدار کے حق کو محدود کردینا۔اس کے علاوہ مشہور مالکی فقیہ ابنِ رشد نے اپنی کتاب بدایۃ المجتہد میں شروط کو چار اقسام میں تقسیم کیا ہے:

1. وہ شروط جو ہر حال میں بیع کو فسخ کردیں۔اس میں وہ تمام شرائط شامل ہیں جو صحتِ بیع کی شرائط میں خلل ڈالیں۔مثلاً ایسی شرط جو ربا یا غرر کا باعث بنے۔ان کی موجودگی میں بیع فسخ ہوگی۔
2. ایسی شروط جو فسخ کی مقتضی تو ہیں لیکن اگر شرط لگانے والا رجوع کرلے تو عقد صحیح قرار پاتا ہے۔مثلاً بائع اس شرط پر مکان بیچے کہ ایک سال تک اس میں رہے گا۔یہ شرط پہلی قسم میں شامل ہونے کی بنا پر فسخ کا تقاضہ کرتی ہے لیکن اگر بائع اس سے دست بردار ہو جائے تو عقد صحیح ہو جائے گا۔
3. وہ شروط جن کا لگانا جائز اور ان کی موجودگی میں عقد بھی جائز رہتا ہے۔اس میں شرط صحیح کی مذکورہ صورتیں شامل ہیں ۔
4. وہ شروط جو کالعدم شمار ہوتی ہیں جبکہ ان کی موجودگی میں عقد صحیح رہتا ہے۔ایسی شروط صحتِ بیع پر اثر انداز نہیں ہوتیں۔شرط باطل کی مذکورہ صورتیں اس قسم میں شامل ہیں۔[21]

---

[20]Al-Majaji, Muhammad Sukhal, Ahkam Aqd Al Bai fil Fiqh Islami Al maliki, Beirut, Dar Ibn-e- Hazm, 2001, P 207.

[21]Ibn-e-Rushd, Muhammad bin Ahmad, Bidaya-tul-Mujtahid, Cairo, Maktabah Ibn-e-Taymiyah, 2000, V 3, P 309.

6- بیع بالشرط کے بارے میں فقہائے شافعیہ کا موقف

بیع وشرط کے بارے میں شوافع کا موقف احناف کے مثل ہے البتہ وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کے باوجود لوگوں کے مابین متعارف ہوجائے تو احناف اس کے جواز کے قائل ہیں۔ لیکن شوافع متعارف ہونے کے باوجود اسے جائز قرار نہیں دیتے۔ اس بات کا اشارہ ابن شہاب الرملی کے کلام میں ملتاہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"ولو اشترى حطبا مثلا على دابة بشرط ايصاله منزله لم يصح وان عرف المنزل لانه بيع بشرط وان اطلق صح العقد ولم يكلف ايصاله منزله ولو اعتيد"[22]

ترجمہ: مثال کے طور پر اگر چوپائے پر رکھی لکڑیاں اس شرط پر خریدیں کہ وہ اسے اس کے گھر پہنچائے گا تو یہ صحیح نہیں اگرچہ وہ اس کا گھر جانتاہو۔ کیونکہ یہ بیع بشرط ہے۔ اگر مطلقاًہو تو عقد صحیح ہو گا اور وہ اس کے گھر پہنچانے کا ذمہ دار نہ ہو گا اگرچہ عادتاً ایساہوتاہو۔

عبارت میں "ولو اعتید" کا لفظ اس پر دلالت کرتاہے کہ عادتاً اگرچہ اس شرط کا رواج ہو لیکن مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی بناپر اس کا اعتبار نہ ہو گا اور اس کی بناپر عقد فاسد شمار ہو گا۔ البتہ شوافع ایک صورت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عتق کی شرط پر غلام بیچنا جائز ہے جبکہ قیاس کا تقاضہ ہے کہ عقد درست نہ ہو۔ حدیث بریرۃ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ خطیب الشربینی لکھتے ہیں:

"لو باع عبدا او امة بشرط اعتاقه فالمشهور صحة البيع والشرط لتشوف الشارع الى العتق" [23]

ترجمہ: اگر کسی نے آزاد کرنے کی شرط پر غلام یا باندی کو فروخت کیا تو مشہور یہ ہے کہ بیع اور شرط دونوں صحیح ہیں کیونکہ شارع نے اس کی ترغیب دی ہے۔

شارع کی ترغیب کی بناپر شرطِ عتق کو خلافِ قیاس درست اور عقد کو اس کی موجودگی میں درست قرار دیا گیاہے جبکہ اس قسم سے تعلق رکھنے والی بقیہ تمام شروط اصل حکمِ فسخ پر برقرار رہیں گی۔ بالفاظِ دیگر موجودہ دور میں شوافع کے نزدیک عقدِ بیع میں متعارف شروطِ فاسدہ کی گنجائش نہیں۔

7- بیع بالشرط کے بارے میں حنابلہ کا مؤقف

مشہور حنبلی فقیہ ابن قدامہ اپنی کتاب الکافی میں شروط کی چار اقسام بیان کرتے ہیں:

1. وہ شرط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو۔ جیسے مشتری کا شرط لگانا کہ بائع بیع کے فوراًبعد مبیع اس کے سپرد کردے گا۔
2. وہ شرط جو عاقدین کی مصلحت پر مبنی ہو۔ جیسا کہ صاحبِ حق کا رہن یا ضمانت کی شرط لگانا یا بیع میں خیار رویت یا خیار شرط لگانا۔

مذکورہ دونوں قسم کی شروط صحیح اور لازم ہیں ان کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔

3. وہ شرط جو نہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور نہ ہی اس میں عاقدین میں سے کسی کی مصلحت پوشیدہ ہو۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں:

- بیع میں کسی دوسرے عقد کی شرط لگادی جائے۔ مثلاً بائع اس شرط پر کوئی چیز بیچے کہ مشتری اسے قرض دے گا یا اپنی مملوکہ زمین یا مکان اجارہ پر دے گا۔ یہ صورت بیعتین فی بیعۃ میں شامل ہونے کی بناپر ممنوع ہے۔

---

[22]Al-Ramalli, Muhammad bin Ahmad, Nihaya-tul-Muhtaaj, Beirut, Dar Al Kutub Al Ilmiya, 2003,V 3, P 451.
[23]Al-Sharbeeni, Muhammad bin Al Khateeb, Mughni-Al-Muhtaj, Beirut, Dar Al Kutub Al Ilmiya, 2000, V 2, P 383.

- مشتری اپنے لیے کسی منفعت کی شرط لگادے جس کا وجود بائع کی طرف سے ہو۔ مثلاً مشتری بائع سے اس شرط پر کپڑا خریدے کہ بائع وہ سی کر دے گا۔اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر منفعت معلوم ہو تو شرط لگانا جائز ہے بصورتِ دیگر نہیں۔

4. شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو۔اس کی مزید کئی صورتیں ہیں اور ان کے جواز وعدمِ جواز میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ البتہ اتنی بات مشترک ہے کہ جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو، اس پر نص وارد نہ ہوا اور نہ ہی وہ متعارف ہو تو ایسی شرط اور عقد دونوں فاسد قرار پاتے ہیں۔[24]

8- بیع بالشرط کے بارے میں ابن حزم کی رائے

مذکورہ مسئلہ میں ابنِ حزم کا اصولی موقف یہ ہے کہ عقدِ بیع میں کسی بھی قسم کی شرط لگانا جائز نہیں الاّ یہ کہ وہ شرط منصوص ہو۔ نصوص میں سات اقسامِ شروط کا ذکر ہے لہذا عقدِ بیع میں انہی سات اقسام کی شروط کی اجازت ہو گی۔ اس موقف کو بیان کرتے ہوئے ابنِ حزم اصولی مسئلہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"کل شرط وقع فی بیع منهما اومن احدهمابرضاالآخرفانهماان عقداه قبل عقدالبیع اوبعد تمام البیع بالتفرق بالابدان او بالتخییر اوفی احدالوقتین یعنی قبل العقداوبعده ولم یذکراه فی حین عقدالبیع فالبیع صحیح تام والشرط باطل لایلزم فان ذکرا ذلك الشرط فی حال عقدالبیع فالبیع باطل مفسوخ والشرط باطل۔"[25]

ترجمہ: ہر وہ شرط جو بیع میں جانبین یا کسی ایک کی طرف سے واقع ہو دوسرے کی رضامندی سے تو اگر عقدِ بیع سے پہلے یا تمامِ عقد کے بعد کہ جسمانی طور پر الگ ہونے یا دوسرے کو خیار سونپنے کے وقت وہ شرط لگائی ہو اور بوقتِ عقد اسے ذکر نہ کیا ہو تو بیع صحیح اور مکمل شرط باطل اور غیر لازم ہو گی۔ اور اگر وہ شرط بوقتِ عقد ذکر کریں تو پھر بیع فسخ اور دونوں باطل ہوں گے۔

بیع بالشرط کے بارے میں یہ ابنِ حزم کا اصولی موقف ہے۔ البتہ اس اصول سے وہ سات شروط کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

1. ادھار بیع میں حق کی پختگی کے لیے بائع کی جانب سے رہن کی شرط لگانا۔
2. مشتری کی جانب سے قیمت کی مقررہ وقت تک مؤخر ادائیگی کی شرط لگانا۔
3. مشتری کی جانب سے بغیر وقتی تعیین کے مالی آسودگی پر قیمت کی ادائیگی کی شرط لگانا۔
4. مبیع یا ثمن میں مخصوص اوصاف کی شرط لگانا جس پر عاقدین راضی ہوں۔
5. "لاخلابة" کی شرط یعنی مشتری کی جانب سے یہ شرط لگانا کہ دھوکہ نہیں ہو گا۔
6. مشتری کی جانب سے غلام یا باندی کی بیع میں ان کے کل یا مخصوص حصہ کے مال کی اپنے لیے شرط لگانا۔
7. پھل دار درختوں کی بیع کی صورت میں مشتری ہی کی جانب سے کل یا بعض پھلوں کی اپنے لیے شرط لگانا جبکہ بیع صرف درختوں کی ہو اور پھل ظاہر ہو چکے ہوں۔

---

[24] Ibn-e-Qudamah, Abdullah bin Ahmad, Al-Kafi, Beirut, Dar Al Kutub Al Ilmiya, 1994, V 2, P 22.
[25] Ibn-e-Hazm, Ali bin Ahmad, Al Muhallah, Beirut, Dar Al Kutub Al Ilmiya,2003, V 7, P 319.

ان سات اقسام کے علاوہ بیع میں لگائی جانے والی ہر شرط ابنِ حزم کے نزدیک باطل اور غیر لازم ہونے کے ساتھ ساتھ عقد کے بطلان وفسخ کو مستلزم ہے۔ بیع بالشرط کے کے بارے میں ابن حزم کے اصولی موقف کی دلیل بریرۃ رضی اللہ عنہا کی ولاء کے باب میں پیش کردہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے جس کے مطابق عقد میں کسی بھی قسم کی شرط جو کتاب وسنت کے منافی ہو قابلِ اعتبار نہیں۔ یہ روایت ابنِ حزم مختلف طرق سے اپنی کتاب میں لائے ہیں۔ چنانچہ ہر قسم کی شرط روایت کی روسے باطل ہو گی اور ہر وہ عقد جس کا انحصار شرطِ باطل پر ہو شرط کا بطلان عقد کے بطلان کو مستلزم ہو گا۔ نتیجتاً نہ شرط لازم ہو گی اور نہ ہی عقد صحیح رہے گا۔ جہاں تک اس اصول سے مستثنیٰ سات قسم کی شروط کا تعلق ہے تو ان کی اجازت منصوص ہونے کی بنا پر ہے۔ مثال کے طور پر شرطِ رہن کی اجازت اس آیت سے معلوم ہوتی ہے:

"وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَقْبُوضَةٌ"[26]

ترجمہ: اور اگر تم سفر پر ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن بالقبض رکھ کر قرض کا معاملہ کر لیا کرو۔

اسی طرح آیتِ مدائنہ مقررہ وقت تک قیمت کی ادھار ادائیگی کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ"[27]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم باہم مقررہ وقت تک ادھار معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

حکمِ کتابت اس امر کے جواز پر دال ہے کیونکہ بنا اجازت کتابت کا کوئی معنی نہیں۔ تنگدست کو قیمت کی ادائیگی کے لیے مالی آسودگی کی مہلت درج ذیل آیت سے معلوم ہوتی ہے:

"وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَى مَيْسَرَةٍ"[28]

ترجمہ: اور اگر مقروض تنگدست ہو تو اسے مالی کشائش تک مہلت دو۔

ثمن اور مبیع میں مقررہ اوصاف کی شرط جس پر عاقدین باہم رضامند ہوں اس آیت مبارکہ سے ثابت ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ "[29]

ترجمہ: مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ الا یہ کہ رضامندی سے تجارت کے ذریعہ ہو۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ تجارت کی صحت عاقدین کی رضامندی پر منحصر ہے۔ رضامندی کے لیے بداہۃً مبیع اور ثمن میں پائے جانے والے اوصاف پر راضی ہونا شامل ہے کیونکہ کامل رضا کسی چیز کی ذات وصفات پر راضی ہونے سے عبارت ہے۔ جہاں تک غلام یا باندی کے مال اور پھلدار درخت کے پھلوں کی شرط کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ابنِ حزم کا مستدل درج ذیل روایت ہے:

"من ابتاع نخلا بعد ان تؤبر فثمرتها للبائع الا ان یشترط المبتاع ومن باع عبدا وله مال فماله للبائع الا ان یشترط المبتاع۔"[30]

ترجمہ: جس نے تابیرِ نخلہ کے بعد درختوں کو خریدا تو اس کا پھل بائع کا ہو گا الا یہ کہ مشتری اس کی شرط لگا دے اور جس نے غلام فروخت کیا حالانکہ اس کے پاس مال تھا تو وہ بائع کا ہو گا الا یہ کہ مشتری اس کی شرط لگا دے۔

---

[26]Al-Quran, Al-Baqara, 2:283.
[27]Al-Quran, Al-Baqara, 2:282.
[28]Al-Quran, Al-Baqara, 2:280.
[29]Al-Quran, Alnisa, 4:29.
[30]Al-Nasaai, Ahmad bin Shoaib, Sunan-Al-Nasaai, Riyadh, Dar Al Hazarah, 2015, Kitab-ul-Buyoo, Bab-ul-Abd Yuba'a, Hadith No 4636.

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف درخت کی بیع میں پھل اور غلام کی بیع میں اس کا مال داخل نہ ہوں گے الا ّیہ کہ مشتری بعض یا کل اثمار اور پھل کی اپنے لیے شرط لگادے۔ منصوص ہونے کی بناپر اس کی اجازت ہوگی۔"لاخلابة" کی شرط کی دلیل حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ بسااوقات بیع میں دھوکہ کھاجاتے تھے۔ اس کا ذکر انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کیاتو آپ ﷺ نے انہیں فرمایاکوئی حرج نہیں تم بوقتِ عقد یہ کہہ دیا کرو کہ "لاخلابة "یعنی دھوکہ نہیں ہوگا۔[31] امام حاکم اپنی متدرک میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حبان کو تین دن کے خیار کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی۔[32] متذکرہ بالا نصوص کی بناپر ابنِ حزم کے نزدیک عقدِ بیع میں ان سات شروط کی گنجائش ہے جبکہ بقیہ اپنے اصل حکم عدمِ جواز پر باقی رہیں گی۔

9- فقہاء کی آراء کا تجزیہ اور معاصر معاشی صورتحال

بیع بالشرط کے بارے میں واردروایات اور فقہاء کی آراء پر بحث کے بعد اصولاً یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ مقتضائے عقد کے مطابق یا مناسب شروط کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں۔ مقتضائے عقد کے خلاف غیر معروف شرط کے فساد پر بھی سب متفق ہیں۔ ان اقسام میں سے قابل ذکر وہ شرط ہے مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس پر لوگوں کا تعامل ہو جائے۔ چنانچہ بہت سے فقہاء ایسی شروط کو جائز قرار دیتے ہیں جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور ایسے مسائل میں عرف کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے عرف وتعامل کی اہمیت کے پیشِ نظر ایسی شروط کو جائز قرار دینا وقت کی ضرورت کا ادراک اور سہولت و آسانی کا تقاضہ ہے۔ معاصر معیشت میں بھی اس قسم کی مختلف مثالیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ چند ایک ملاحظہ ہوں:

9.1 الیکٹرانکس اشیاء کی خرید وفروخت میں تنصیب اور گارنٹی کی شرط

بہت سی الیکٹرانکس اشیاء مثلاً فریج، اے سی وغیرہ کی خرید وفروخت میں متعلقہ کمپنی یا ڈیلر حضرات صارفین کو مفت تنصیب (Installation) کی سہولت فراہم کرتے ہیں۔ اسی طرح ان اشیاء سمیت بہت سی دیگر استعمالی اشیاء کی ایک مقررہ مدت تک گارنٹی بھی دی جاتی ہے کہ اس دوران اگر کوئی خرابی پیدا ہوجائے تو کمپنی یا بائع اس کی تصحیح کی ذمہ دار ہوگی۔ یہ امر تجارت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ان کی ساکھ اور صارفین کے ان پر اعتماد میں بہتری کا باعث بنتا ہے۔ اصولاً یہ شرط فاسد ہے کیونکہ خریداری کے بعد اس کی تنصیب یا تصحیح کی تمام تر ذمہ داری خریدار پر عائد ہوتی ہے۔ مشتری کو حاصل ہونے والے یہ فوائد عوض سے خالی ہوتے ہیں لیکن تجارتی کمپنیاں متعدد دیگر فوائد کی خاطر انہیں قبول کرتی ہیں۔

9.2 یکمشت ادائیگی کی صورت میں اصل قیمت میں سے کچھ معاف کر دینے کی شرط

موجودہ دور میں پلاٹ یا مختلف اشیاء کی اقساط پر فروخت رائج ہے۔ اقساط پر بیچی جانے والی اشیاء کی یکمشت ادائیگی یا کچھ اقساط کے بعد بقیہ تمام اقساط اکٹھی ادا کرنے کی صورت میں بائع کی جانب سے اصل رقم میں سے کچھ منہا کرنے کا رواج بھی پایا جاتا ہے۔ اصولی طور پر ادائیگی چاہے اقساط میں ہو یا یکمشت مشتری پر وہی قیمت ادا کرنا لازم ہے جو بوقتِ عقد طے پاچکی۔ یکمشت یا باقی اقساط اکٹھی ادا کرنے کی صورت میں بائع کی جانب سے کچھ رقم چھوڑدینے کی شرط فاسد ہے کیونکہ اس میں مشتری کا نفع پایا جاتا ہے لیکن عرف کی بناپر اسے جائز قرار دیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ بائع اپنی خوشی سے قیمت میں سے کچھ منہا کرنے پر راضی ہو اور مشتری

[31] Al-Bukhari, Sahih-Al-Bukhari, Kitab-Ul-Buyoo, Bab u ma Yukrah min al Khada fil Bay , Hadith No 2117.
[32] Al-Hakim, Muhammad bin Abdullah, Al-Mustadrak, Beirut, Dar Al Kutub Al Ilmiya,2002, V 2, P 26.

کو اس کے دعویٰ کا حق حاصل نہ ہو۔ لیکن اگر بائع کی رضامندی نہ ہونے کی صورت میں مشتری اس کا مطالبہ کرے تو وہ قابل اعتبار نہ ہو گا کیونکہ شرطِ متعارف کے جواز کے لیے فریقِ ثانی کی رضامندی ضروری ہے۔

9.3 مقررہ مدت تک مفت سروس کی شرط

مختلف الیکٹرانکس اشیاء یا کار، موٹر سائیکل کی خریداری کے بعد اس کے استعمال اور حفاظت سے متعلق تمام تر اخراجات مشتری کی ذمہ داری ہیں لیکن موجودہ دور میں تقریباً تمام کمپنیاں ایک معینہ مدت تک ان اشیاء کی مفت سروس کی صارفین کو پیشکش کرتی ہیں۔ مشتری کے لیے خالی عن العوض زیادتی پر مشتمل ہونے کی بنا پر یہ شرط بھی اصولاً فاسد لیکن عوام الناس کے عرف و تعامل کی بنا پر جائز ہے۔

9.4 مشتری کی مطلوبہ جگہ پر چیز کی فراہمی کی شرط

موجودہ دور میں تجارتی کمپنیاں صارفین کو جو مفت سہولیات فراہم کرتی ہیں ان میں سے ایک صارف کے مطلوبہ مقام پر چیز کی حوالگی اور فراہمی ہے چاہے وہ مقامِ عقد ہو یا کوئی اور۔ اصولاً بائع یا مشتری پر مبیع و ثمن کی حوالگی مقامِ عقد پر لازم ہے لیکن تجارتی کمپنیاں صارفین کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے انہیں یہ سہولت فراہم کرتی ہیں جیسا کہ ہوم ڈیلیوری کی صورت میں دیکھا جا سکتا ہے۔ کسی دوسرے مقام پر حوالگی کی شرط کتاب و سنت کے منافی ہونے کی بنا پر باطل ہونی چاہیے لیکن معاصر معیشت میں قیمت اور سامان عاقدین کی مطلوبہ جگہ پر فراہم کرنے کا رواج عام ہے۔ متعارف ہونے کی بنا پر احناف کے نزدیک یہ شرط جائز البتہ دیگر فقہاء اس کے عدمِ جواز کے قائل ہیں۔[33]

پیش کردہ تمام مثالوں میں شروط کا عدمِ اعتبار حرج کا باعث بنتا ہے۔ یہ سب شروطِ فاسدہ غیر منصوص ہیں۔ اگر عرف و عادت کی بنا پر ان کی اجازت نہ دی جائے تو دفعِ حرج کا کوئی طریق باقی نہیں رہتا۔ مزید یہ کہ ایسے میں تجار حضرات کا نقصان بھی لازم آتا ہے۔ اس لیے معاصر معاشی پیرایہ بھی اس رعایت کا متقاضی ہے۔ ابنِ حزم کا موقف بھی معاصر معیشت میں مشکل اور حرج کا باعث ہے کیونکہ موجودہ دور میں بہت سی ایسی شروط پر لوگوں کا تعامل چلا آ رہا ہے جن میں عاقدین میں سے کسی کا نفع پایا جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تجار حضرات اپنی ساکھ، مارکیٹنگ اور مختلف تجارتی فوائد کی خاطر ان شروط کو بخوشی قبول کرتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ یہ شروط غیر منصوص ہیں لیکن اگر انہیں ناجائز قرار دے دیا جائے جبکہ عرف کی اہمیت بھی مسلم ہو تو اس میں نہ صرف حرج بلکہ تجار کا نقصان لازم آتا ہے اس لیے اس کے جواز ہی کو فوقیت ہونی چاہیے۔

10- حاصلِ بحث

بنیادی ضروریات کے حصول کے لیے خرید و فروخت ایک فطری ضرورت ہے جسے شرع نے تسلیم اور فریقین کی باہمی رضامندی سے مشروع قرار دیا ہے۔ اصولی طور پر عقدِ بیع غیر مشروط ہونا چاہیے تاہم اس بابت روایات مختلف ہیں جن کی بنا پر فقہاء نے اس مسئلہ میں مختلف آراء اختیار کی ہیں۔ تمام آراء کا حاصل یہ ہے کہ فقہاء نے شروط کو متعدد اقسام میں تقسیم اور ہر ایک کا الگ حکم بیان کیا ہے۔ منصوص، مقتضائے عقد کے مطابق یا مناسب شروط کے جواز اور مقتضائے عقد کے مخالف غیر معروف و غیر منصوص شروط کے فساد پر تمام فقہاء متفق ہیں۔ ان اقسام میں سے قابلِ ذکر وہ شروط ہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف متعارف ہو جائیں۔ اکثر فقہاء ان کے عدمِ جواز کے قائل ہیں تاہم احناف غیر منصوص ہونے کی صورت میں بھی ایسی شروط کے جواز کے قائل ہیں۔ اس مسئلہ کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ مسئلہ اجتہادی اور اختلافی نوعیت کا ہے جن میں عرف و رواج کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ عرف و تعامل کی اہمیت کے پیشِ نظر متعارف شروط کو جائز قرار دینا وقت کی ضرورت اور سہولت کا تقاضہ ہے۔ مزید یہ کہ اگر ایسی شروط کا عدمِ اعتبار ایک بڑے طبقے کے لیے حرج کا باعث بنے جبکہ

---

[33] Ibn-e-Hazm, Al-Muhalla, V 7, P 340.

عدمِ حرج شرع کا مسلّمہ اصول ہو تو ان کے معتبر ہونے کا احتمال فوقیت رکھتا ہے۔ صارفین کا اعتماد، ساکھ اور مارکیٹنگ موجودہ معیشت کے اہم عناصر ہیں۔ چنانچہ یہ صورتحال بھی اس بات کا شدت سے مطالبہ کرتی ہے کہ شروطِ فاسدہ متعارفہ کا اعتبار اور انہیں تسلیم کیا جائے۔ البتہ یہ اعتبار فریقین کی رضامندی سے مشروط ہو گا۔

11- تجاویز و سفارشات

1. معاشرتی ترقی میں معاشی استحکام کلیدی اہمیت کا حامل ہے اس لیے مالی معاملات ایک متوازن نہج پر گامزن رہنے چاہئیں۔
2. مالی معاملات کی پائیداری اور منصفانہ طریق کی پیروی افرادِ معاشرہ کی بنیادی ضروریات کی بطریقِ احسن تکمیل اور مالی آسودگی کی ضمانت ہے۔
3. معاشرتی بدعنوانیوں کے خاتمے میں بھی مالی معاملات کی منصفانہ تشکیل و ترویج کا اہم کردار ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کو شرعی حدود و قیود کا پابند بنایا جائے۔
4. خرید و فروخت کے معاملات میں معاصر صورتحال کو مدِ نظر رکھتے ہوئے رائے اختیار کرنا نہ صرف شرع کی نظر میں محمود بلکہ معاشی ترقی کا ضامن بھی ہے۔ اس لیے یہ عنصر کسی صورت فراموش نہیں ہونا چاہیے۔
5. فقہاء کے مابین اختلافی معاملات میں قرینِ صواب صورت کا تعین اور عوام الناس کی سہولت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے موقف اختیار کرنا شرع کے اصولِ تیسیر اور عدمِ حرج کے عین مطابق ہے۔ اس سلسلے میں محققین کو اپنا کردار ادا کرنا اور تمام فقہاء کی آراء کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

This work is licensed under an Attribution-ShareAlike 4.0 International (CC BY-SA 4.0)